خدّام الاحمدیہ نوجوانوں میں ذہانت پیدا کرنے کی کوشش کریں

(فرمودہ ۳؍ مارچ ۱۹۳۹ء)

تشہّد، تعوّذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

''آج مَیں خدّام الاحمدیہ کو اُن کے بعض اَور فرائض کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ اِس وقت تک مَیں:-

۱- قومی رُوح کا اپنے اندر پیدا کرنا جماعتی کاموں میں دِلی شوق کے ساتھ حصّہ لے کر ہر قسم کی قربانی کرنے کے لئے تیار رہنا اور تنظیم کا مادہ اپنے اندر پیدا کرنا۔

۲- اسلامی تعلیم سے واقفیت۔

۳- آوارگی اور بیکاری کا ازالہ۔

۴- اچھے اخلاق خصوصاً سچ اور دیانت کا پیدا کرنا۔

۵- ہاتھ سے کام کرنا۔

اِن پانچ امور کی طرف اِنہیں توجہ دِلا چُکا ہوں۔ آج میں اِسی سلسلہ میں ایک اَور ضروری امر کی طرف اِنہیں توجہ دلاتا ہوں جو میرے نزدیک نہایت ہی اہم ہے مگر اِس کی طرف توجہ بہت ہی کم کی جاتی ہے۔ مجھے اِن لوگوں کے ساتھ کام کرنے کے بعد جن سے کام کرنے کا موقع مِلا ہے

اور وہ جوان بھی ہیں اور بوڑھے بھی، وہ پڑھے لکھے بھی ہیں اور اَن پڑھ بھی۔ ہندوستانیوں کے متعلق ایک نہایت ہی تلخ تجربہ ہؤا ہے جو ہمیشہ میرے دل پر ایک پتھر کی طرح بوجھ ڈالے رکھتا ہے اور وہ یہ کہ ایک لمبے عرصہ کی غلامی کے بعد ہندوستانی عقل اور ذہانت کو بالکل کھو چکے ہیں۔ وہ جب بھی کوئی کام کریں گے اُس کے اندر حماقت اور بیوقوفی ضرور ہوگی۔ اِلَّا مَا شَاءَ اللّٰہ۔ چند لوگ اگر مستثنٰی ہوں تو اور بات ہے لیکن ایسے لوگ بھی ایک فیصدی سے زیادہ ہیں۔ اب سَو میں سے ایک کی آبادی سَو کا بوجھ کس طرح اُٹھا سکتی ہے۔ اگر سَو میں سے ساٹھ ستّر آدمی فرض شناس اور ذہین ہوں تو وہ بقیہ تیس چالیس کا بوجھ اُٹھا سکتے ہیں لیکن جس مُلک کے سَو آدمیوں میں سے ننانوے ذہانت سے عاری ہوں اور سَو میں سے صرف ایک شخص ذہین ہو تو اُس کے متعلق جس قدر بھی مایوسی ہو کم ہے۔ کوئی کام دے دیا جائے اُس میں ضرور کچھ نہ کچھ حماقت اور بیوقوفی دکھانا ہندوستانی شاید اپنے لئے ضروری سمجھتا ہے اور جب وہ بیوقوفی کرتا ہے اور اُسے سمجھایا جاتا ہے کہ وہ ایسی بیوقوفی نہ کیا کرے تو وہ اِس سے اُلٹا نتیجہ نکالتا ہے اور جو اُسے تعلیم دی جائے اُسے وہ ہمیشہ اپنے لئے گالی اور ہتک سمجھتا ہے اور جس طرح بچھو نیش لگاتا ہے اُسی طرح وہ اِس نصیحت کے بدلے دوسرے کو نیش لگانے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ ایک نہایت ہی تلخ بات ہے جو میرے تجربہ میں آئی ہے۔

ابھی کل ہی کی بات ہے ایک عزیز نوجوان نے مجھ سے ذکر کیا کہ فوج میں جہاں کہیں مخلص احمدی دیکھے گئے ہیں وہ ہمیشہ دوسروں سے زیادہ ہوشیار ہوتے ہیں اور اِس میں کوئی شُبہ نہیں کہ سچا ایمان اور سچا اخلاص ذہانت ضرور پیدا کر دیتا ہے کیونکہ عدم ذہانت دراصل توجہ کی کمی کا نام ہے اور کامل توجہ کا نام ہی ذہانت ہے۔ جب انسان کسی امر کی طرف کامل توجہ کرتا ہے تو اُس کے چاروں کونے اُس کے سامنے آ جاتے ہیں مگر جب کبھی وہ پوری توجہ نہیں کرتا اُس کے کئی گوشے اُس کی نظروں سے پوشیدہ رہتے ہیں۔ چار پانچ ہندوستانی اکٹھے سفر کر رہے ہوں اور اُن کے سامنے کوئی معاملہ پیش آ جائے تو وہ کھڑے ہو کر باتیں کرنے لگ جائیں گے۔ ایک کہے گا یوں کرنا چاہیئے، دوسرا کہے گا یوں نہیں ووں کرنا چاہیئے۔ اب وقت گزر رہا ہے کام خراب ہو رہا ہے مگر وہ بیوقوفی کی بحثیں کرتے رہیں گے۔ کبھی اِن کے دماغ میں یہ بات نہیں آئے گی کہ

اِس بحث سے زیادہ حماقت کی بات اور کوئی نہیں۔تم اپنے میں سے ایک شخص کو آگے کرو اور اس کے فیصلہ کو تسلیم کرلو مگر یہ حماقت یہاں تک بڑھی ہوئی ہے کہ جس شخص کے فیصلہ کو وہ تسلیم کرنے کا دعویٰ بھی کریں گے اُس کے فیصلوں پر بھی جھٹ اعتراض کر دیں گے اور اگر اعتراض نہیں کریں گے تو کم از کم اِس کے معاملات میں دخل دینے کی ضرور کوشش کریں گے۔ مَیں خلیفہ ہوں اور جماعت میری اطاعت کا اقرار کئے ہوئے ہے مگر میرا قریباً نوّے فیصدی تجربہ ہے کہ جب بھی مَیں کوئی کام کرنے لگوں ہر شخص مجھے مشورہ دینے لگ جاتا ہے۔اب ساری سکیم سوچی ہوئی میرے ذہن میں موجود ہوتی ہے مگر وہ خواہ مخواہ دخل دے کر کام کو خراب کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ وہی احمقانہ عادت ہے جو تمام ہندوستانیوں کے اندر پائی جاتی ہے کہ وہ کبھی بھی صحیح لیڈری کو تسلیم نہیں کریں گے۔ بھلا ایک شخص جو لڑائی کے لئے لوگوں کو جمع کر کے لے جارہا ہو دُشمن سر پر کھڑا ہو اور حالت ایسی ہو کہ ایک لمحہ کا ضیاع بھی سخت نقصان پہنچانے والا ہو اس وقت اگر تم راستہ روک کر کھڑے ہو جاؤ اور اِسے مشورہ دینے لگ جاؤ تو اِس کا سوائے اِس کے اور کیا مطلب ہوسکتا ہے کہ تم اپنے لوگوں کو تباہ کرانا چاہتے ہو۔پس یہ مشورہ نہیں بلکہ اپنی حماقت اور نادانی کا مظاہرہ ہوتا ہے۔کسی بیمار کے پاس دو ہندوستانی ڈاکٹر چلے جائیں وہ بجائے اِس کے کہ متفقہ طور پر اِس کے لئے کوئی علاج تجویز کریں آپس میں لڑنا شروع کر دیں گے۔ وہ کہے گا یہ دوا دینی چاہیے، یہ کہے گا وہ دوا دینی چاہیے۔ بیمار مر رہا ہوگا اور یہ آپس میں بحث کر رہے ہوں گے۔غرض کبھی بھی ضرورت اور محل کے موقع پر وہ اِس امر کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں گے کہ اپنے میں سے ایک شخص کو آگے کر دیں اور جو کچھ وہ کہے اِس کے مطابق کام کریں۔ استثنائی طور پر اگر بعض دفعہ کوئی لطیف بات کسی کو سوجھ جائے تو اِس کے بتانے میں کوئی حرج نہیں ہوتا مگر ہندوستانی ذہنیت یہ ہے کہ وہ ہر بات میں خواہ مخواہ دخل دیں گے اور بجائے کسی کی صحیح لیڈری پر اعتماد کرنے کے اپنی بات پر زور دیتے چلے جائیں گے اور کہیں گے کہ یوں کرنا چاہیے۔خواہ ان کی بات کس قدر ہی احمقانہ کیوں نہ ہو اور خواہ اس شخص کی سکیم سے وہ کتنے ہی ناواقف کیوں نہ ہوں۔تو یہ مادہ ہندوستانیوں کے دلوں میں نہایت ہی گہرے طور پر راسخ ہو چُکا ہے اور چونکہ اکثر احمدی ہندوستانی ہیں وہ بھی ایک حد تک اِس مرض میں مُبتلا ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا

فضل ہے کہ میرے دل میں کبھی مایوسی پیدا نہیں ہوئی لیکن اگر کبھی میرے دل میں مایوسی کے مشابہہ کوئی کیفیت پیدا ہوئی ہے تو وہ اِسی حالت پر ہوئی ہے جو ہندوستانیوں میں عام طور پر پائی جاتی ہے اور جس سے احمدی بھی مستثنیٰ نہیں کہ وہ چھوٹے سے چھوٹے کام میں بھی کبھی نظام کے مطالبہ کو پورا نہیں کر سکتے۔

مَیں نے ہمیشہ سفروں میں دیکھا ہے باوجود اِس کے کہ عملہ کے ۷، ۸ آدمی ساتھ ہوتے ہیں اور معمولی سَو پچاس کے لگ بھگ چیزیں ہوتی ہیں۔ وہ ضرور کچھ نہ کچھ سامان پھینک کر آجاتے ہیں اور جب پوچھا جاتا ہے تو ایک کہتا ہے مَیں نے سمجھا تھا اِس کا دوسرے نے خیال رکھا ہوگا اور دوسرا کہتا ہے مَیں نے سمجھا تھا اِس کا خیال فلاں نے رکھا ہوگا۔ یہ عجیب نادانی ہے کہ ہر شخص دوسرے کو ذمہ دار قرار دیتا ہے۔ جب تم اتنا کام بھی نہیں کر سکتے تو تم ساری دُنیا کو کہاں سنبھال سکو گے؟ مگر اِس کی وجہ محض بے توجہی ہے اور پھر مَیں نے دیکھا ہے جب انہیں نصیحت کی جائے تو وہ ایک دوسری نادانی کے مُرتکب ہو جاتے ہیں اور خیال کرنے لگتے ہیں کہ شاید اپنے نقصان کی وجہ سے انہیں غصّہ چڑھا ہؤا ہے حالانکہ مجھے غصّہ ان کی ذہانت کے فقدان پر آ رہا ہوتا ہے۔

ہماری جماعت میں ایک شخص ہؤا کرتا تھا اب تو وہ مر گیا ہے اور مرا بھی بُری حالت میں ہے۔ اِس نے ایک دفعہ کچھ اَور دوستوں سمیت میرے پہرے کے لئے اپنے آپ کو پیش کیا۔ مَیں خود تو کسی کو پہرہ کے لئے نہیں کہتا لیکن جب کوئی پہرہ کے لئے اپنی خوشی سے آ جائے تو اُسے روکتا بھی نہیں۔ اِس وقت ہم نہر پر گئے ہوئے تھے اور ہمارا خیمہ ایک طرف لگا ہؤا تھا اُس نے کہا کہ ہم آپ کا پہرہ دیں گے۔ گرمیوں کے دن تھے مجھے تھکان محسوس ہوئی اور مَیں خیمہ میں جا کر سَو گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد جب مَیں اُٹھا تو مَیں نے گھر والوں سے دریافت کیا کہ خیمہ میں جو میری چھتری لٹک رہی تھی وہ کہاں گئی؟ اُنہوں نے کہا کہ ہم لوگ تو باہر گئے ہوئے تھے اور ابھی واپس آئے ہیں۔ ہمیں معلوم نہیں کہ کون لے گیا۔ خادمہ سے دریافت کیا تو وہ کہنے لگی کہ ایک آدمی خیمہ کے پاس آیا تھا اور اُس نے کہا تھا کہ حضرت صاحب کی چھتری دے دو چنانچہ مَیں نے چھتری اُٹھا کر اُسے دے دی۔ مَیں نے جب باہر جا کر دریافت کیا تو ہر ایک شخص نے

لاعلمی ظاہر کی کہ ہمیں نہیں معلوم کون خیمہ کے پاس گیا اور چھتری مانگ کر لے گیا۔ غرض کچھ معلوم نہ ہوسکا کہ وہ کون شخص تھا؟ کوئی چور تھا یا کوئی دُشمن تھا جو صرف یہ بتانے کے لئے اندر آیا تھا کہ تمہارے پہروں کی کوئی حقیقت نہیں۔ کیونکہ ایسے شخص کو چھتری لینے سے کیا حاصل ہوسکتا تھا۔ اِس کی غرض محض یہ بتانا ہوگی کہ تم اتنے غافل ہو کہ مَیں تمہارے گھر کے اندر داخل ہو کر ایک چیز اُٹھا سکتا ہوں۔ اگر کسی مصلحت یا اخلاق کی وجہ سے مَیں نے تم پر حملہ نہیں کیا تو اَور بات ہے ورنہ مَیں اندر ضرور داخل ہو گیا ہوں اور تمہاری ایک چیز بھی اُٹھا کر لے آیا ہوں مگر تمہیں اِس کی خبر تک نہیں ہوئی۔ بہرحال مجھے جب یہ بات معلوم ہوئی تو مَیں نے اِس پر اظہارِ ناراضگی کیا اور کہا کہ ایسے پہرے کا فائدہ کیا ہے؟ اِس پر وہی آدمی جس کا مَیں نے ذکر کیا ہے کہنے لگا کہ اگر مجھے پتہ لگ جائے کہ آپ نے وہ چھتری کہاں سے خریدی تھی تو مَیں ویسی ہی چھتری خرید کر آپ کی خدمت میں پیش کر دوں۔

اب دیکھو یہ کتنی کمینہ اور ذلیل ذہنیت تھی اِس شخص کی کہ اِس نے میری ناراضگی کی حقیقت کو سمجھنے کی تو کوشش نہ کی اور یہ سمجھا کہ میری ناراضگی چھتری کے نقصان کی وجہ سے ہے۔ حالانکہ میری ناراضگی کی وجہ تو یہ تھی کہ جب تم ایک ذمہ داری کا کام لیتے ہو تو تمہارا فرض ہے کہ اِس کام کو پُوری تندہی اور خوش اسلوبی کے ساتھ سرانجام دو اور اگر تم وہ کام نہیں کر سکتے تو تمہارا اِس کی بجا آوری کے لئے ذمہ داری قبول کرنا حماقت ہے مگر اِس نے سمجھا کہ میری خفگی اِس لئے ہے کہ میری چھتری گُم ہوگئی ہے اور وہ کہنے لگا کہ اگر مجھے پتہ لگ جائے کہ آپ نے چھتری کہاں سے خریدی تھی تو مَیں ویسی ہی چھتری خرید کر آپ کو دے دوں۔ اب یہ اتنی کمینہ ذہنیت ہے کہ مجھے اِس کا خیال کر کے اب بھی پسینہ آ جاتا ہے اور مَیں حیران ہوتا ہوں کہ کیا اِتنا ذلیل اور کمینہ انسان بھی کوئی ہوسکتا ہے۔ وہ احمدی تھا گو بعد میں عملاً مرتد ہو گیا مگر بہرحال وہ کہلاتا احمدی تھا۔

تو ہندوستانیوں میں یہ ایک نہایت ہی احمقانہ بات پائی جاتی ہے کہ وہ کبھی بھی چاروں طرف نگاہ نہیں ڈالیں گے۔ مَیں اگر مثالیں دوں تو چونکہ بہت سے لوگوں پر زد پڑتی ہے اِس لئے فوراً پتہ لگ جائے گا کہ یہ فلاں کی بات ہو رہی ہے اور یہ فلاں کی۔ پس میں مثالیں نہیں دیتا۔

یہ جو مثال مَیں نے پیش کی ہے یہ بہت ہی پُرانی ہے اور وہ آدمی خاص عملے کا بھی نہ تھا اور اب تو وہ مَر چُکا ہے۔ اِس لئے مَیں نے یہ مثال دے دی ورنہ مَیں اِس مہینہ کی دس بیس ایسی مثالیں دے سکتا ہوں جو نہایت ہی احمقانہ ہیں اور جن کو مَیں اگر بیان کروں تو تم میں سے ہر شخص انہیں سُن کر ہنسے گا لیکن جب خود تمہارے سپرد وہی کام کیا جائے گا تو تم بھی وہی حماقت کرو گے جو دوسروں نے کی۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ ہندوستان میں ذہانت کی کوئی قیمت نہیں سمجھی جاتی۔ ہمارے سکولوں اور کالجوں میں طالب علموں کی ذہانت کی ترقی کے لئے قطعی طور پر کوئی کوشش نہیں کی جاتی۔ اُستاد اور پروفیسر محض کتابیں پڑھا دیتے ہیں اور طالب علموں کو الفاظ رٹا دیتے ہیں لیکن خالی لفظوں کو لے کر کسی نے کیا کرنا ہے۔ اگر ایک پڑھا لکھا شخص ہو لیکن ذہین نہ ہو تو اِس سے بہت زیادہ کام وہ شخص کر سکتا ہے جو گو پڑھا ہؤا نہ ہو مگر ذہین ہو۔

کیا ہٹلر جرمنی کا سب سے زیادہ پڑھا ہؤا شخص ہے؟ کیا مسولینی اٹلی کا سب سے زیادہ تعلیم یافتہ انسان ہے؟ کیا اتاترک ٹرکی کا سب سے زیادہ عالم تھا؟ کیا لینن رَشیا کا سب سے زیادہ پڑھا ہؤا شخص تھا؟ یہ سارے ہی اپنی اپنی جگہ معمولی تعلیم حاصل کئے ہوئے تھے۔ مسولینی کی تعلیم مڈل تک ہے، ہٹلر کی تعلیم انٹرنس جتنی ہے۔ اتاترک گو ایک کالج میں پڑھا مگر وہ نہایت ہی چھوٹے درجہ کا کالج تھا اور اِس کی تعلیم بھی انٹرنس جتنی ہے مگر کیا چیز ہے جس نے ہٹلر، مسولینی، اتاترک اور لینن کو اپنے ملکوں کا لیڈر بنا دیا۔ وہ ذہانت ہے جس نے اِن لوگوں کو اپنے مُلک کا لیڈر بنایا، علم نہیں۔ جب علم والے اپنی کتابوں پر نگاہ ڈالے بیٹھے تھے اُس وقت یہ لوگ ساری دُنیا پر نگاہ ڈالے ہوئے انسانی فطرت کی گہرائیوں کے مطالعہ میں مشغول تھے اور آخر وہاں سے وہ اپنی قوم کی مُراد کا وہ موتی لے آئے جس کے لئے وہ بے تابانہ جستجو کر رہے تھے۔ پس ذہانت بالکل اَور چیز ہے اور عِلم اَور چیز۔ عِلم بھی اچھی چیز ہے مگر ذہانت کے بغیر عِلم کسی کام کا نہیں ہوتا۔

مَیں نے بتایا ہے کہ مَیں اِس کے متعلق مثالیں نہیں دے سکتا کیونکہ مَیں اگر مثالیں دوں تو وہ لوگ بالکل ننگے ہو جائیں جن کے وہ واقعات ہیں اور سب کو اِن کا پتہ لگ جائے۔ اِس لئے مَیں بعض پُرانے لوگوں کے قصّے یا لطائف بیان کر دیتا ہوں جن سے ذہانت اور علم کا فرق

ظاہر ہو سکتا ہے۔

کہتے ہیں کوئی بادشاہ تھا اُس نے اپنے مُلک کے ایک مشہور جوتشی کو بُلایا اور اپنا لڑکا اُس کے سپرد کرتے ہوئے کہا کہ اِسے علمِ جوتش سکھا دو۔ چنانچہ وہ اُسے لے گیا اور مدّت تک سکھاتا رہا۔ جب اُس نے تمام علم اُسے سکھا دیا تو وہ بادشاہ کے پاس اسے لایا اور کہنے لگا کہ بادشاہ سلامت مَیں نے جوتش کا تمام علم اِسے پڑھا دیا ہے اب آپ چاہیں تو اِس کا امتحان لے لیں۔ بادشاہ نے اپنی انگوٹھی کا نگینہ اپنے ہاتھ میں چھپا کر لڑکے سے پوچھا کہ تم علمِ جوتش سے بتاؤ کہ میرے ہاتھ میں کیا ہے؟ لڑکے نے حساب لگایا اور کہا چکّی کا پاٹ۔ بادشاہ نے اِس جوتشی کی طرف دیکھا اور کہا تم نے اسے کیا پڑھایا ہے؟ وہ کہنے لگا حضور! چکی کا پاٹ بھی پتھر کا ہوتا ہے اور نگینہ بھی پتھر کا ہے۔ پس میرا علم تو صحیح ہے باقی اگر آپ کے لڑکے میں ذہانت نہ ہو اور وہ اتنی بات بھی نہ سمجھ سکے کہ چکی کا پاٹ ہاتھ میں نہیں آ سکتا تو مَیں کیا کر سکتا ہوں؟ میرا علم تو بالکل صحیح ہے۔

اِسی طرح مَیں نے یہ لطیفہ کئی دفعہ سُنایا ہے جو دراصل حضرت خلیفۃ اوّل سے مَیں نے سُنا ہوا ہے کہ کوئی لڑکا تھا اُسے گاؤں کے بعض بڑے بڑے لوگوں نے کسی دوسرے علاقہ میں طِب پڑھنے کے لئے بھیجا۔ کیونکہ اِن کے ہاں کوئی طبیب نہیں تھا۔ اُنہوں نے خیال کیا کہ اگر یہ لڑکا طب پڑھ گیا تو ہماری ضرورت پوری ہو جائے گی اور آئے روز جو ہمیں طبیب کے نہ ہونے کی وجہ سے تکلیف رہتی ہے یہ رفع ہو جائے گی۔ وہ لڑکا دوسرے علاقہ کے ایک مشہور طبیب کے پاس پہنچا اور کہنے لگا مجھے اپنے علاقہ کے رؤسا نے آپ کے پاس طب پڑھنے کے لئے بھیجا ہے کیونکہ ہمارے ہاں کوئی طبیب نہیں۔ وہ کہنے لگا بڑی اچھی بات ہے اِس سے زیادہ نیکی کا کام اور کیا ہو سکتا ہے؟ طب سے خدمت خلق ہوتی ہے اور لوگوں کو نفع پہنچتا ہے۔ پس یہ بہت ہی ثواب کا کام ہے تم میرے پاس رہو مَیں تمہیں تمام طب سکھا دوں گا چنانچہ وہ اُن کے پاس رہنے لگ گیا۔ دوسرے ہی دن وہ کسی مریض کو دیکھنے کے لئے چلے گئے اور اُنہوں نے اِس لڑکے کو اپنے ساتھ لے لیا۔ جب مریض کے پاس پہنچے تو وہ اُس کے پاس بیٹھ گئے، نبض دیکھی، حالات پوچھے اور باتوں باتوں میں کہنے لگے کہ آپ نے کل کہیں چنے تو نہیں کھائے؟ وہ کہنے لگا

ہاں کچھ چنے کھائے تھے۔ وہ کہنے لگے آپ کا معدہ کمزور ہے ایسی ثقیل چیز آپ کو ہضم نہیں ہوسکتی پیٹ کا درد اِسی وجہ سے ہے۔ آپ ایسی چیزیں نہ کھایا کریں۔ پھر ایک نسخہ لکھ کر اُسے دے دیا اور واپس آ گئے۔ جب گھر پہ پہنچے تو لڑکا کہنے لگا کہ مجھے اجازت دیجئے مَیں اب واپس جانا چاہتا ہوں۔ وہ کہنے لگے ہیں! اتنی جلدی تم طب پڑھنے کے لئے آئے تھے۔ وہ کہنے لگا بس طب مَیں نے سیکھ لی ہے۔ ذہین آدمی کے لئے تو کوئی دِقّت ہی نہیں ہوتی۔ وہ کہنے لگے مَیں نے تو تمہیں ابھی ایک سبق بھی نہیں دیا۔ تم نے طب کہاں سے سیکھ لی؟ وہ کہنے لگا ذہین شخص کو بھلا سبقوں کی کیا ضرورت ہے؟ مَیں خدا کے فضل سے ذہین ہوں مَیں نے تمام طب سیکھ لی ہے۔ اُنہوں نے بہتیرا سمجھایا کہ یہاں رہو اور مُجھ سے باقاعدہ طب پڑھو مگر وہ نہ مانا اور واپس آ گیا۔ لوگ اُسے دیکھ کر بڑے متعجب ہوئے اور کہنے لگے اتنی جلدی آ گئے؟ وہ کہنے لگا ذہین آدمی کے لئے طب سیکھنا کوئی مُشکل امر نہیں۔ مَیں تو جاتے ہی تمام طب سیکھ گیا۔ خیر اُنہی دنوں کوئی رئیس بیمار ہو گیا اور اُس نے اُس لڑکے کو علاج کے لئے بُلایا یہ گیا نبض دیکھی، حالات پوچھے اور پھر کہنے لگا آپ رئیس آدمی ہیں بھلا آپ کو ایسی چیزیں کہاں ہضم ہوسکتی ہیں۔ اچھا بتایئے کیا آپ نے کل گھوڑے کی زین تو نہیں کھائی؟ وہ کہنے لگا کیسی نامعقول باتیں کرتے ہو گھوڑے کی زین بھی کوئی کھایا کرتا ہے؟ وہ کہنے لگا آپ مانیں یا نہ مانیں کھائی آپ نے گھوڑے کی زین ہی ہے۔ نوکروں نے جو دیکھا کہ یہ ہمارے آقا کی ہتک کر رہا ہے تو اُنہوں نے اُسے خوب پیٹا۔ وہ مار کھاتا جائے اور کہتا جائے کہ تشخیص تو مَیں نے ٹھیک کی ہے۔ اب تم میری بات نہ مانو تو مَیں کیا کروں؟ آخر اُنہوں نے پوچھا تیرا اِس سے مطلب کیا ہے؟ اِس نے جواب دیا کہ بات یہ ہے کہ جس طبیب سے مَیں نے طب سیکھی ہے وہ ایک دن مجھے ساتھ لے کر ایک مریض دیکھنے کے لئے گئے مَیں اِن کی حرکات کو خوب تاڑتا رہا۔ مَیں نے دیکھا کہ حکیم صاحب نے اِدھر اُدھر نظر دوڑائی اور چند چنے کے دانے جو چارپائی کے نیچے گرے ہوئے تھے وہ اُٹھا لئے اور پہلے تو اِن دانوں سے کھیلتے رہے پھر مریض سے کہنے لگے کہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے چنے کھائے ہیں اور اِس نے اقرار کیا کہ واقع میں مَیں نے چنے کھائے ہیں۔ مَیں اِس سے فوراً سمجھ گیا کہ جب کسی مریض کو دیکھنے کے لئے جانا پڑے تو جاتے ہی اس کی چارپائی کے نیچے

نظر ڈالنی چاہئے اور جو چیز اس کی چار پائی کے نیچے ہو اُس کے متعلق یہ سمجھنا چاہئے کہ اس کے کھانے سے مریض بیمار ہوا ہے۔ اب مَیں جو یہاں آیا تو آتے ہی مَیں نے ان کی چار پائی کے نیچے نظر ڈالی تو مجھے گھوڑے کی زین نظر آئی۔ پس مَیں سمجھ گیا کہ یہ گھوڑے کی زین کھا کر ہی بیمار ہوئے ہیں۔

اب دیکھو جس چیز کا نام اِس نے ذہانت رکھا ہوا تھا وہ ذہانت نہیں تھی بلکہ حماقت اور بیوقوفی تھی اور گو اِس مثال پر تم سب ہنس پڑے ہو مگر اِس قسم کی بیوقوفیاں تم بھی کرتے رہتے ہو اِلاَّ مَاشَاءَ اللّٰہ۔ جیسے مَیں نے بتایا ہے سَو میں سے ایک ممکن ہے ذہین ہو لیکن سَو میں سے ننانوے یقیناً ذہانت سے عاری ہوتے ہیں۔

ہندوستان کی ۳۳ کروڑ آبادی ہے اور سَو میں سے ایک کے ذہین ہونے کے یہ معنی ہیں کہ اِس مُلک میں صرف ۳۳ لاکھ آدمی ذہین ہیں۔ اب ۳۳ لاکھ بھلا ۳۳ کروڑ کا بوجھ کس طرح اُٹھا سکتا ہے؟ گو مَیں سمجھتا ہوں کہ یہ ایک فیصدی کی نسبت بھی خاص ہوشیار جماعتوں میں پائی جاتی ہوگی۔ عام جماعتوں میں ایک فیصدی کی نسبت بھی نہیں اور اِس کا احساس مجھے اِسی وقت ہوا ہے۔ کیونکہ جب میں نے ۳۳ کروڑ کا سواں حصہ ۳۳ لاکھ نکالا تو میری سمجھ میں یہ بات آئی کہ یہ اندازہ غلط ہے کیونکہ ہندوستان میں ہرگز ۳۳ لاکھ ذہین آدمی نہیں ہیں۔ اگر اتنے ذہین آدمی ہوتے تو اِس مُلک کی کایا پلٹ جاتی۔ ممکن ہے ہماری جماعت میں جسے ہر وقت علمی باتیں سُنائی جاتی ہیں ایک فیصدی کی نسبت سے ذہین آدمیوں کا وجود پایا جاتا ہو لیکن اور جماعتوں میں ایک فیصدی کی نسبت بھی نہیں۔ وہ کبھی بات کو چاروں گوشوں سے نہیں دیکھیں گے اور ہمیشہ غلط نتیجہ پر پہنچیں گے۔

ابھی پچھلے سفر میں جب مَیں کراچی گیا تو وہاں بغداد سے ہماری جماعت کے ایک دوست میرے پاس آئے اور اُنہوں نے کھجوروں کا ایک بکس پیش کیا اور کہا کہ یہ کھجوریں بغداد کی جماعت نے بھجوائی ہیں۔ ہم کراچی میں ایک ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے تھے اور اس کے دو کمرے کرایہ پر ہم نے لئے ہوئے تھے۔ ایک مردانہ تھا، ایک زنانہ۔ مَیں نے وہ کھجوروں کا بکس اسی جگہ رکھوا دیا جہاں باقی اسباب پڑا تھا اور پھر مجھے اِس کا خیال بھی نہ رہا۔ جب ہم بمبئی پہنچے

تو میری ہمشیرہ نے کسی موقع پر کھانا کھانے کے بعد کہا کہ اِس وقت کچھ میٹھے کو جی چاہتا ہے۔ مَیں چونکہ کھجوروں کا ان سے ذکر کر چُکا تھا اِس لئے اُنہوں نے پوچھا کہ وہ کھجوریں کہاں گئیں۔ اس پر مجھے ان کا خیال آیا اور مَیں نے اپنے ہمراہیوں سے پوچھا کہ وہ کھجوروں کا بکس کہاں گیا؟ جن صاحب سے پوچھا تھا اُنہوں نے جواب دیا کہ ایک بکس تو ہمارے کمرہ میں ضرور تھا مگر چونکہ ہم قادیان سے وہ بکس نہیں لے گئے تھے اِس لئے مَیں نے اور میرے ہمراہی نے وہ بکس اسباب سے الگ کر کے رکھ دیا کہ شاید کسی اَور کا ہو۔ مَیں نے انہیں بتایا کہ یہ بکس بغداد کی جماعت کی طرف سے بطور تحفہ آیا تھا اور میں نے اسباب میں رکھوا دیا تھا۔ جب کمرہ ہمارا تھا اور اسباب بھی ہمارا تھا تو آپ لوگوں کو یہ کیونکر خیال ہوا کہ اِسے الگ نکال کر رکھ دیں کسی اَور کا ہوگا۔ آخر دوسرے کسی شخص کو یہ خیال کیونکر پیدا ہوسکتا تھا کہ وہ اپنا اسباب اُٹھا کر ہمارے کمرہ میں آ کر رکھ جائے۔ لوگ تو دوسروں کا اسباب اُٹھایا کرتے ہیں۔ اپنا اسباب دوسرے کے گھر میں تو کوئی آ کر رکھ کر جاتا نہیں۔ اس پر اُنہوں نے کہا کہ ہم نے سمجھا کہ کسی احمدی کا بکس ہوگا۔ مَیں نے کہا اگر یہ خیال تھا تب بھی اُسے ساتھ رکھنا چاہئے تھا کیونکہ اِس وقت ہم تو وہ کمرہ خالی کر رہے تھے اور احمدی ہماری وجہ سے ہی وہاں آتے تھے۔ وہاں اسے چھوڑ دینے کے یہ معنی تھے کہ اپنے بھائی کا اسباب ضائع ہونے دیا جائے کیونکہ کمرہ خالی کر دینے کے بعد کون اس کی حفاظت کرسکتا تھا؟ اِس صورت میں بھی آپ کا فرض تھا کہ بکس ساتھ رکھ لیتے اور جب ساحل سمندر پر دوست رخصت کرنے کے لئے آتے تو اُن سے پوچھتے کہ اگر کسی دوست کا یہ سامان رہ گیا ہو تو وہ لے لیں مگر سب سے مقدّم یہ امر تھا کہ مجھ سے پوچھتے کہ یہ زائد سامان کیسا ہے؟ کوئی چیز یہاں سے تو نہیں خریدی۔ اس کو سُن کر وہ دونوں دوست جن کے ذمّہ سامان کی حفاظت تھی مُسکرا پڑے کہ یہ خیال ہی نہیں آیا۔ اب یہ کتنی بڑی سادگی ہے۔ ایک کمرہ کرایہ پر لیا جاتا ہے۔ اِس میں اپنا تمام اسباب رکھا جاتا ہے مگر روانگی کے وقت ایک بکس اسی جگہ چھوڑ دیا جاتا ہے اور سالارِ کارواں سے پوچھا تک نہیں جاتا کہ یہ صندوق بھی ہمارا ہی ہے یا کسی اَور کا؟ کیا یہ ممکن نہیں تھا کہ مَیں نے خود کوئی وہاں سے سَودا منگوایا ہو؟ اور اسے اِس صندوق میں بند کر دیا گیا ہو مگر محض اِس لئے اِسے چھوڑ دیا گیا کہ قادیان سے چلتے وقت ہم اِس صندوق کو

اپنے ہمراہ نہیں لائے تھے اور یہ خیال ہی نہیں آیا کہ دریافت تو کرلیا جائے یہ صندوق ہے کس کا؟ اگر وہ ذہانت سے کام لیتے تو اُنہیں چاہیئے تھا کہ وہ اُس صندوق کو بھی اُٹھاتے اور مجھ سے پوچھتے کہ یہ کس کا ہے؟ جب وہ میرے کمرہ میں پڑا ہوا تھا تو بہر حال میرا ہی ہوسکتا تھا۔ اگر وہ مسافروں کا وہاں سامان ہوتا تب تو شُبہ ہوسکتا تھا کہ یہ سامان شاید میرا ہے یا اس کا مگر جب ان کمروں میں ہم ہی ہم تھے تو کسی کی عقل ماری ہوئی تھی کہ وہ اپنا اسباب اُٹھا کر ہمارے کمرہ میں رکھ دے یا گھر سے ٹرنک لاکر ہمارے ٹرنکوں میں مِلا دے۔ پھر وہ کہنے لگے ہم نے سمجھا شاید یہ جماعت والوں کا اسباب ہے۔ حالانکہ اوّل تو ہم ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے تھے اور وہاں جماعت کا سامان کسی طرح نہیں آسکتا تھا لیکن اگر بالفرض ان کے نزدیک یہ کسی جماعت کے دوست کا ہی صندوق تھا تو بہر حال انہیں یہ تو سمجھنا چاہیئے تھا کہ اب ہم نے دوبارہ اِس ہوٹل کے کمرہ میں نہیں آنا۔ پس انہیں چاہیئے تھا وہ اِس صورت میں بھی اُس صندوق کو اُٹھاتے اور جہاز تک لاکر دریافت کرتے کہ یہ کس احمدی کا صندوق ہے؟ اِس طرح بات بھی کھل جاتی اور چیز بھی ضائع نہ ہوتی کیونکہ اگر بالفرض وہ کسی احمدی بھائی کا سامان ہوتا تو بھی اُس کی حفاظت ہمارے ذمہ تھی کیونکہ وہ ہمارے کمرہ میں تھا اور انہیں چاہیئے تھا کہ دونوں صورتوں میں وہ اسباب اُٹھاتے اور ساتھ لے جاتے مگر جب مَیں نے ناراضگی کا اظہار کیا تو کہنے لگے خیال ہی نہیں آیا اور یہی جواب ہے جو ہر ہندوستانی غلطی کے موقع پر دیا کرتا ہے اور جب اِس سے بھی زیادہ ناراضگی کا اظہار کیا جائے تو دوسرا قدم وہ یہ اُٹھاتا ہے کہ کہہ دیتا ہے غلطی ہوگئی معاف کردیجئے۔

مَیں چاہتا ہوں کہ خدّام الاحمدیہ اپنے کام میں اِس امر کو بھی مدّ نظر رکھیں اور نوجوانوں کے ذہنوں کو تیز کریں۔

ہم نے بچپن میں جو سب سے پہلی انجمن بنائی تھی اُس کا نام تشحیذ الاذہان تھا۔ یعنی ذہنوں کو تیز کرنے کی انجمن۔ اِس کے نام کا تصور کرکے بھی میرا ایمان تازہ ہوجاتا اور میرا دل خوشی سے بھر جاتا ہے کہ انبیاء کے ذہن کیسے تیز ہوتے ہیں اور کس طرح وہ معمولی باتوں میں بڑے بڑے اہم نقائص کی اصلاح کی طرف توجہ دلا دیتے ہیں کہ آج ایک وسیع تجربہ کے بعد جو بات

مجھ پر ظاہر ہوئی ہے اُس کی طرف حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نہایت سادگی کے ساتھ صرف دو لفظوں میں توجہ دلا دی تھی کیونکہ جب ہم نے ایک انجمن بنانے کا ارادہ کیا تو میں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں عرض کیا کہ اِس کا کوئی نام تجویز فرمائیں تو آپ نے اِس انجمن کا نام ''تشحیذ الاذہان'' تجویز فرمایا یعنی ذہنوں کو تیز کرنا۔ رسالہ ''تشحیذ الاذہان'' بعد میں اِسی وجہ سے اِس نام پر جاری ہوا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انجمن کا نام ''تشحیذ الاذہان'' رکھا تھا اور چونکہ اِسی انجمن نے یہ رسالہ جاری کیا اِس لئے اِس کا نام بھی ''تشحیذ الاذہان'' رکھ دیا گیا۔

پس ہماری انجمن کا نام ہی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ''تشحیذ الاذہان'' رکھا تھا۔ یعنی وہ انجمن جس کے ممبران کا یہ فرض ہے کہ وہ ذہنوں کو تیز کریں اور درحقیقت بچپن میں ہی ذہن تیز ہو سکتے ہیں اور مَیں سمجھتا ہوں کہ اِس لحاظ سے بہت بڑی ذمّہ داری اُستادوں پر عائد ہوتی ہے مگر افسوس ہے کہ ہم اپنے بچوں کے بہت سے اوقات کتابوں میں ضائع کر دیتے ہیں اور وہ حقیقی فائدہ جس سے قوم ترقی کرتی ہے اِس کو بالکل نظر انداز کر دیتے ہیں۔ حالانکہ ہمارا فرض ہے کہ ہماری کھیلیں اِس رنگ کی ہوں جن سے ہمارے ذہن تیز ہوں، ہماری تعلیم اِس رنگ کی ہو جس سے ہمارے ذہن تیز ہوں، ہماری انجمنوں کے کام اِس رنگ کے ہوں جن سے ہمارے ذہن تیز ہوں اور یہ چیز علم سے بھی مقدم ہونی چاہئے کیونکہ تھوڑے علم سے انسان نجات پا سکتا ہے لیکن ذہن کے کُند ہونے کی وجہ سے خواہ انسان کے پاس کتنا بڑا علم ہو نجات سے محروم رہ جاتا ہے۔

ہم یورپین قوموں کو دیکھتے ہیں ایک لمبے تجربہ کی وجہ سے اُن میں ذہانت کا نہایت بُلند معیار قائم ہے حالانکہ وہ شراب نوش قومیں ہیں، وہ سُور کھاتی ہیں مگر باوجود شراب نوش اور مُردار خوار ہونے کے اُن کے ذہن نہایت تیز ہوتے ہیں کیونکہ ایک وسیع تجربہ نے اُن کے دماغوں میں نہایت صفائی پیدا کر دی ہے۔

پچھلے دنوں جب جنگ کا خطرہ پیدا ہوا تو انگریز مدبرین نے ہر طرح کی کوشش کر کے اِس جنگ کو روکا مگر جیسا کہ بعد میں معلوم ہوا اِس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ وہ لڑائی میں کُودنا پسند نہیں کرتے تھے

یا بزدلی اس کی محرک تھی بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے اپنے سارے مُلک کے انتظام پر نگاہ ڈالی اور اُنہوں نے محسوس کیا کہ ابھی ہمارے اندر کئی قسم کی خامیاں ہیں اور اگر ہم اِس وقت لڑ پڑے تو ہماری شکست کا خطرہ ہے۔ پس وہ بزدلی یا بے غیرتی کی وجہ سے پیچھے نہیں ہٹے جیسا کہ غلطی سے سمجھا جاتا ہے بلکہ اُنہوں نے جب اپنے انتظام پر نگاہ دوڑائی تو اُنہیں اپنے انتظام میں بعض نقائص اور خلل نظر آئے اور اُنہوں نے فیصلہ کیا کہ اِس وقت لڑنا ٹھیک نہیں۔ بے شک اِن کے پاس جنگ کا سامان بھی کم تھا مگر جیسا کہ بعض مدبرین نے کہا ہے اگر جنگ میں وہ کُود پڑتے تو وقت پر تمام سامان مہیا کیا جا سکتا تھا مگر اُنہوں نے سمجھا کہ اگر ہم نے تمام سامان مہیا بھی کر لیا تب بھی ہمارا نظام ابھی ایسا مکمل نہیں کہ ہم اِس سامان سے پورا فائدہ اُٹھا سکیں۔

پس اُنہوں نے دانائی سے کام لے کر جنگ کے خطرہ کو دُور کر دیا لیکن اگر کوئی ایشیائی ہوتا تو وہ ایسے موقع پر سوائے اِس کے اَور کچھ نہ کہتا کہ غیرت، غیرت، کود پڑو اور مر جاؤ۔ حالانکہ قوم کا صرف مر جانا ہی کام نہیں ہوتا بلکہ فتح پانا بھی کام ہوتا ہے۔

تو ہمارے نوجوانوں کو ذہین بننا چاہئے اور اُن کی نظر وسیع ہونی چاہئے۔ وہ جب بھی کوئی کام کریں اُنہیں چاہئے کہ اِس کے سارے پہلوؤں کو سوچ لیں اور کوئی بات بھی ایسی نہ رہے جس کی طرف اُنہوں نے توجہ نہ کی ہو۔ یہی نقص ہے جس کی وجہ سے مَیں نے دیکھا ہے کہ روحانیات میں بھی ہمارے آدمی بعض دفعہ فیل ہو جاتے ہیں اور وہ شکایت کرتے رہتے ہیں کہ ہم نمازیں پڑھتے ہیں مگر ہمیں خدا تعالیٰ کی محبت حاصل نہیں ہوتی حالانکہ مَیں نے بارہا بتایا ہے کہ صرف نمازیں پڑھنے سے خدا تعالیٰ کی محبت دل میں پیدا نہیں ہو سکتی اور نہ اُس کا قُرب انسان کو حاصل ہو سکتا ہے۔ حقیقی دین تو ایک مکمل عمارت کا نام ہے مگر تمہاری حالت یہ ہے کہ تم مکمل عمارت کا فائدہ صرف ایک دیوار سے حاصل کرنا چاہتے ہو۔ تم خود ہی بتاؤ، اگر کسی قلعہ کی تین دیواریں توڑ دی جائیں اور صرف ایک دیوار باقی رہنے دی جائے تو کیا اُس دیوار کی وجہ سے اُس قلعہ کے اندر رہنے والا محفوظ رہ سکتا ہے یقیناً جب تک اُس کی چاروں دیواریں مکمل نہیں ہوں گی اُس وقت تک اُس قلعہ کا کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا۔ اِسی طرح اللہ تعالیٰ کا قُرب محض نمازوں کی وجہ سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ اور جس قدر احکامِ اسلام ہیں اُن سب پر عمل کرنے کے

بعد حاصل ہوتا ہے۔ اگر تم نمازیں تو پڑھتے ہو لیکن تم میں جھوٹ کی عادت ہے یا نمازیں تو پڑھتے ہو مگر روزے نہیں رکھتے یا روزے تو رکھتے ہو مگر زکوٰۃ نہیں دیتے یا زکوٰۃ تو دیتے ہو مگر مالدار ہونے کے باوجود اور سفر کی سہولت ہونے کے باوجود حج نہیں کرتے یا تم نمازیں بھی پڑھتے ہو، روزے بھی رکھتے ہو، حج بھی کرتے ہو مگر کسی غریب کا مال ظالمانہ طور پر کھا جاتے ہو تو تمہارا یہ اُمید کرنا کہ تمہاری نمازیں، تمہارے روزے اور تمہارا حج تمہیں فائدہ دے نادانی ہے۔ کیونکہ تم اپنی روحانی عمارت کو چاروں گوشوں سے مکمل نہیں کرتے۔ تم اگر ایک طرف پچاس فٹ چوڑی دیوار بھی کھڑی کر دیتے ہو تو وہ تمہیں فائدہ نہیں پہنچا سکتی لیکن اگر تم چار انچ کی دیوار چاروں طرف بنا کر اُس پر چھت ڈال لو تو وہ عمارت تمہیں سردی گرمی سے محفوظ رکھ سکتی اور خطرات سے بچا سکتی ہے بلکہ چار انچ موٹی دیوار کیا اگر تم سرکنڈے لے کر اُن کا ایک جھونپڑا بنا لو یا بانس کی تیلیوں سے ایک جھونپڑی بنا لو تو گو وہ مضبوط نہیں ہوگی مگر تم اُس میں امن سے رہ سکو گے۔ تم سَو فٹ چوڑی صرف ایک دیوار کھڑی کر کے فائدہ حاصل نہیں کر سکتے لیکن اگر تم آدھ انچ کی سرکنڈے کی دیواریں چاروں طرف کھڑی کر دو جیسا کہ عام طور پر بیٹ کے علاقہ میں زمیندار لوگ بناتے ہیں تو تم اِس سے وہ تمام فائدے اُٹھا لو گے جو ایک مکمل عمارت سے اُٹھائے جا سکتے ہیں کیونکہ تم اِس جھونپڑی میں وہ تمام شرائط پوری کر دو گے جو ایک مکان کی تعمیر کے لئے ضروری ہیں۔ تم اِس میں رات کو سو بھی سکو گے، تم سردی سے بھی بچ سکو گے، تم بارش سے بھی محفوظ رہو گے اور چوروں سے بھی بچ رہو گے کیونکہ چور آخر ان سرکنڈوں کو توڑ کر اندر داخل ہوگا اور جب وہ اندر داخل ہونے کے لئے سرکنڈے توڑے گا تو تمہاری آنکھ کھل سکتی اور تم اُس کا مقابلہ کر سکتے ہو۔ اِسی طرح تم اِس جھونپڑی میں بیٹھ کر پردہ قائم رکھ سکتے ہو اور اگر میاں بیوی اندر بیٹھے اِختلاط کر رہے ہوں تو کوئی اُن پر نظر نہیں ڈال سکتا لیکن اِس کی بجائے اگر تم سَو فٹ چوڑی دیوار ایک طرف کھڑی کر دو اور باقی اطراف کو خالی رہنے دو تو تمہیں اِن فوائد میں سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ اِس طرح اگر تم نمازیں پڑھتے ہو اور اِس قدر تعہّد اور احتیاط کے ساتھ پڑھتے ہو کہ ایک نماز کا بھی ناغہ نہیں ہونے دیتے لیکن تم روزوں میں سُست ہو یا اگر روزوں میں تو اِس قدر چُست ہو کہ سال میں سے چھ مہینے روزے رکھتے ہو مگر زکوٰۃ

نہیں دیتے یا زکوٰۃ میں تو چُست ہو مگر صدقہ خیرات دینے میں سُست ہو یا صدقہ وخیرات دینے میں تو اِس قدر چُست ہو کہ اپنا سارا مال خدا تعالیٰ کی راہ میں غریبوں اور مسکینوں کو دے دیتے ہو لیکن جھوٹ بول لیتے ہو تو تمہاری مثال اس شخص کی سی ہے جو صرف ایک طرف دیوار کھڑی کر کے اِس سے پورے مکان کا فائدہ اُٹھانا چاہتا ہے لیکن اِس کے مقابلہ میں اگر تم تھوڑا سا مال صدقہ وخیرات کر دیتے ہو اور زیادہ صدقہ نہیں کرتے، نمازیں صرف پانچ وقت کی پڑھتے ہو، نوافل اور تہجد ادا نہیں کرتے، رمضان کے صرف تیس روزے رکھتے ہو لیکن نفلی روزوں کے رکھنے کا خیال نہیں کرتے، صدقہ وخیرات میں بھی کچھ ایسے دلیر نہیں لیکن تھوڑا بہت دے دیتے ہو یا کم سے کم اگر زکوٰۃ تم پر فرض ہو تو تم اِس کی ادائیگی میں تساہل سے کام نہیں لیتے تو تم یقیناً اللہ تعالیٰ کا قُرب حاصل کر لو گے کیونکہ گو تم نے محل تیار نہیں کیا مگر تم نے سرکنڈوں کی دیواریں بنا کر ایک چھت ڈال لی ہے اور اِس وجہ سے تم اِس بات کے مستحق ہو گئے ہو کہ تم مکان کا فائدہ حاصل کر لو۔ یہی وہ چیز ہے جس کو ذہانت کہتے ہیں یعنی اپنے علم کو ایسے طرز پر کام میں لانا اور اِس سے فائدہ اُٹھانا کہ انسان کی چاروں طرف نگاہ رہے اور کوئی گوشہ اِس کی نگاہ سے پوشیدہ نہ رہے اِسی ذہانت کا یہ کرشمہ ہے کہ جب کسی ذہین آدمی سے بات کی جائے تو وہ فوراً سمجھ جاتا ہے کہ یہ بات مجھ سے کیوں کہی جارہی ہے؟ کہنے والے کا مقصد کیا ہے؟ کن حالات میں یہ مجھ سے بات کر رہا ہے؟ اِس میں کہنے والے کا کیا فائدہ ہے اور میرا اِس میں کوئی فائدہ ہے یا نقصان؟ اور کیوں میرے ساتھ بات کی جارہی ہے؟ اِس کا کیا مقصد اور کیا مُدعا ہے؟ مگر دوسرا آدمی بیوقوفی کر کے کچھ کا کچھ نتیجہ نکال لیتا ہے۔ پس ذہین وہ شخص ہے جو چاروں گوشوں پر نگاہ رکھے مگر وہ جو صرف علم کی حد تک محدود رہتا ہے اور بات کی تہہ تک نہیں پہنچتا اُسے ہم ذہین نہیں کہہ سکتے۔ جیسا کہ مَیں نے اپنے بعض سفروں کا حال بیان کیا ہے اب اگر میرے ساتھ سفر کرنے والے ذہین ہوتے تو وہ کہتے کہ ہمیں کوئی ایسا پہلو اختیار نہیں کرنا چاہئے جو بعد میں کسی خِفّت اور بدنامی کا موجب ہو اور انہیں سوچنا چاہئے تھا کہ جب سفروں میں چیزوں کے گُم ہو جانے کا خطرہ ہوتا ہے تو وہ ایسا طریق اختیار کریں جس سے کسی قسم کی غلطی نہ ہو۔

انگریزوں نے اِسی ذہانت سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے ریکارڈ اور سٹیٹسٹکس کا طریق

ایجاد کیا ہے۔ اگر ریکارڈ نہ ہو تو گزشتہ امور سے فائدہ اُٹھانے میں سخت دقت پیش آتی ہے۔ اب سب دُنیا میں دفتر موجود تھے، رجسٹر موجود تھے، خطوط موجود تھے، کاغذات موجود تھے مگر ریکارڈ اور سٹیٹسٹکس (STATISTICS) نہ رکھے جاتے تھے۔ انگریزوں نے جب ان چیزوں کو دیکھا تو اُنہوں نے ذہنی طور پر فیصلہ کیا کہ اپنے کاموں سے تجارت حاصل کرنے کے لئے کوئی طریق ایجاد کیا جائے۔ چنانچہ اُنہوں نے ریکارڈ رکھنے اور سٹیٹسٹکس کا طریق ایجاد کیا۔ گویا علم موجود تھا مگر لوگ ذہانت سے کام نہ لینے کی وجہ سے اِس کی حفاظت سے غافل تھے۔ انگریزوں نے اِسی علم کو ذہانت سے کام لیتے ہوئے اپنے تجربوں سے فائدہ اُٹھانے کا ایک ذریعہ نکال لیا۔ اِسی طرح روزانہ ہمارے مشاہدہ میں بات آتی ہے کہ دو شخص ہیں دونوں کے پاس کتابیں ہیں مگر ایک نے اِن کتابوں کا انڈیکس بنایا ہوا ہوتا ہے اور دوسرے نے انڈیکس نہیں بنایا ہوتا۔ اب وہ جس نے انڈیکس بنایا ہوا ہوتا ہے وہ اپنی ذہانت کی وجہ سے زیادہ فائدہ اُٹھا لیتا ہے مگر دوسرا عدم ذہانت کی وجہ سے باوجود اِس کے کہ علم اُس کے پاس بھی موجود ہے اِس طرح فائدہ نہیں اُٹھا سکتا جس طرح ذہین شخص اُٹھاتا ہے۔

تو نوجوانوں کو ذہین بنانے کی کوشش کرنی چاہئے۔ ممکن ہے کوئی کہے کہ ہم اِنہیں ذہین کس طرح بنا سکتے ہیں؟ کئی ہیں جو سخت کُند ذہن ہوتے ہیں اور انہیں ہزار بار بھی کوئی بات سمجھائی جائے تو وہ اُن کی سمجھ میں نہیں آتی، پھر سب کو ہم کس طرح ذہین بنا سکتے ہیں؟ تو اِس کا جواب یہ ہے کہ گو انسانی طاقتیں محدود ہیں مگر جس قسم کی قوتیں اللہ تعالیٰ نے انسانی دماغ میں رکھی ہوئی ہیں وہ ایسی ہیں کہ محنت اور دباؤ سے وہ تیز ہو جاتی ہیں اور عقل اور فطانت کی جنس تھوڑی بہت اللہ تعالیٰ نے ہر دماغ میں رکھی ہوئی ہے سوائے اس کے جو پاگل ہو۔ اور ایسا شخص ہزاروں میں سے کوئی ایک ہوتا ہے۔ باقی جس قدر اوسط دماغ رکھنے والے انسان ہیں اُن کے اندر ہر قسم کا مادہ موجود ہوتا ہے، وہ ذہانت بھی رکھتے ہیں، وہ فطانت بھی رکھتے ہیں، وہ عقل بھی رکھتے ہیں، وہ فکر بھی رکھتے ہیں، وہ علم بھی رکھتے ہیں، وہ شعور بھی رکھتے ہیں، وہ احساس بھی رکھتے ہیں اور جب کوئی شخص اُن قوتوں کو ترقی دینا چاہے تو وہ ترقی دے سکتا ہے۔ یہ بالکل ممکن ہے کہ وہ انتہا درجہ کا فطین نہ بنے، وہ انتہا درجہ کا ذکی نہ بنے، وہ انتہا درجہ کا ذہین نہ بنے، وہ انتہا درجہ کا

حسّاس نہ بنے، وہ انتہا درجہ کا باشعور نہ بنے، وہ انتہا درجہ کا فقیہہ نہ بنے، وہ انتہا درجہ کا مُفکر نہ بنے مگر وہ ایک اوسط درجہ کا فطین، ایک اوسط درجہ کا ذہین اور ایک اوسط درجہ کا مُفکر اور فقیہہ بن سکتا ہے اگر کوشش کرے۔

پس خدّام الاحمدیہ کا کام اِس طرز پر ہونا چاہئے کہ نوجوانوں میں ذہانت پیدا ہو ممکن ہے وہ کہیں ہمیں یہ باتیں نہیں آتیں اور ہم سمجھ نہیں سکتے کہ کس طرح اِس کام کو چلائیں۔ سو وہ میرے پاس آئیں اور مجھ سے مشورہ لیں مجھے اللہ تعالیٰ کے فضل سے یہ تمام باتیں آتی ہیں۔ مَیں اُنہیں باتیں بتاؤں گا آگے عمل کرنا اُن کا کام ہے اور میں یقین رکھتا ہوں کہ اگر وہ میری باتوں پر عمل کریں تو نوجوانوں میں بہت جلد ذہانت پیدا ہوسکتی ہے۔ ذہانت دراصل نتیجہ ہے کامل توجہ کا۔ اگر ہم کامل توجہ کی عادت ڈال لیں تو لازماً ہمارے اندر ذہانت پیدا ہوگی اور یہ ذہانت پھر ایک مقام پر ٹھہر نہیں جاتی بلکہ ترقی کرتی رہتی ہے۔ مَیں نے اِسی اصول کو مدّ نظر رکھتے ہوئے خدّام الاحمدیہ کے کارکنان کو نصیحت کی ہے کہ اگر اُن میں سے کوئی اپنے فرائض کی بجا آوری میں غفلت سے کام لیتا ہے تو اُسے سزا دو کیونکہ توجہ پیدا کرنے کے مختلف سامانوں میں سے ایک سامان ڈر بھی ہے۔ یعنی انسان کو یہ خیال ہو کہ اگر میں ناکام رہا تو مجھے سزا ملے گی۔ یورپین لوگوں میں ذہانت کی ترقی کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ وہ مجرم کو سزا دینے میں سخت سنگدل ہوتے ہیں مگر ہمارے ہاں یہ ہوتا ہے کہ جب کسی سے کوئی قصور سرزد ہوا اور اُسے سزا دی جائے تو وہ اپنے قصور کے ازالہ کے لئے صرف اتنا کافی سمجھتا ہے کہ پیسے کے دسویں حصّہ کا کاغذ لیا اور پیسے کی بیسویں حصّہ کی سیاہی اور لکھ دیا حضور میری توبہ! میرا قصور معاف فرمائیں۔ آپ سے زیادہ رحیم بھلا کون ہوسکتا ہے۔ آپ رحیم کریم، اللہ کے نمائندے ہیں اور اگر چوبیس گھنٹے کے اندر اندر اُسے جواب نہ دیا جائے کہ اچھا تمہیں معاف کر دیا گیا ہے تو تمام معززین کی چِٹھیوں پر چِٹھیاں آنی شروع ہو جائیں گی کہ فلاں شخص بڑا پشیمان ہے، وہ اب توبہ کرتا ہے، اُسے معاف کیا جائے۔ تم اِس قسم کا تمسخر کسی زندہ قوم میں نہیں دیکھ سکتے۔ تم چلے جاؤ انگلستان میں، تم چلے جاؤ جرمنی میں، تم چلے جاؤ امریکہ میں، تم چلے جاؤ اٹلی میں، تم چلے جاؤ فرانس میں تم کسی ایک جگہ بھی ایسا تمسخر ہوتے نہیں دیکھو گے۔ تم سَو میں سے ایک احمق بھی ایسا نہیں دیکھو گے جو

قصور کے بعد کاغذ اور قلم دوات لے کے بیٹھ جائے اور معافی کی درخواست لکھنا شروع کر دے اور تم کوئی ایسا احمق نہیں دیکھو گے جو ایسے شخص کی سفارش کرے مگر ہمارے ہندوستان میں یہ عام بات ہے اور یہ مرض اِس قدر بڑھا ہوا ہے کہ اِس کے نتیجہ میں عجیب عجیب نظارے بعض دفعہ دیکھنے میں آئے ہیں۔ چنانچہ اِس سلسلہ میں ایک امر کا میرے دل پر بہت گہرا اثر ہے۔ جب تشحیذ الاذہان کی انجمن قائم ہوئی تو اس وقت ہم میں سے ایک شخص سے ایک غلطی ہوئی اُس نے بعد میں توبہ بھی کی، قربانی بھی کی اور نقصان بھی اُٹھایا مگر اُس وقت اُس سے غلطی ہوگئی، اُس شخص کے اخلاص کا تم اِس سے اندازہ کرلو کہ وہ ایک معقول تنخواہ چھوڑ کر یہاں صرف دس روپیہ ماہوار پر ہماری انجمن میں ملازم ہوگیا تھا۔ یہ شخص ہماری انجمن کے ابتدائی ممبروں سے تھا۔ ضمناً میں یہ بتا دیتا ہوں کہ جس وقت مَیں نے یہ انجمن قائم کی تھی اُس وقت ہم صرف سات لڑکوں نے اِسے اپنے خرچ پر جاری کیا تھا۔ اِس وقت تحریک جدید کے ایک سو چالیس لڑکے ہیں مگر وہ اُن سات جیسا کام کر کے بھی نہیں دکھا سکتے۔ ہم کل سات لڑکے تھے مگر ہم نے دس روپیہ ماہوار کا ایک نوکر بھی رکھا ہوا تھا۔ ہماری مالی حالت اُس وقت جو کچھ تھی اُس کا اندازہ اِس سے لگ سکتا ہے کہ مجھے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے تین روپیہ ماہوار وظیفہ مِلا کرتا تھا جو قلم دوات کاغذ اور دوسری ضروریات پر مَیں خرچ کیا کرتا۔ مگر اِن تین روپوں میں سے بھی مَیں ایک روپیہ ماہوار اِس انجمن پر خرچ کرتا تھا۔ اِسی طرح باقی لڑکوں کا حال تھا۔ اِسی سرمایہ سے آہستہ آہستہ ہم نے رسالہ جاری کیا اور چونکہ رسالہ پر ہم خود محنت کیا کرتے تھے اِس لئے تھوڑے ہی عرصہ کے بعد اچھا سرمایہ جمع ہوگیا اور ہمارا کام عُمدگی سے چلنے لگا اور ہم نے کام کی سہولت کے لئے دس روپیہ ماہوار پر ایک آدمی رکھنے کا فیصلہ کیا اور اِس دوست نے اپنے آپ کو اِس کام کے لئے پیش کر دیا۔ وہ آدمی بہت نیک تھا، غریبوں کی مدد کیا کرتا، رفاہِ عام کے کاموں میں حصّہ لیتا اور نماز روزہ کا بھی پابند تھا مگر بعض دفعہ آدمی سے کوئی کوتاہی ہو ہی جاتی ہے اِس سے بھی ایک دفعہ یہ کوتاہی ہوئی کہ انجمن کا کچھ روپیہ اس نے اپنی ذاتی ضروریات پر خرچ کرلیا اور خیال کرلیا کہ اگلی تنخواہوں سے آہستہ آہستہ ادا کر دوں گا۔ اِس امر کا جب ہمیں علم ہوا تو یہ معاملہ ہماری کمیٹی میں پیش ہوا۔ اُس وقت ہم میں سے کچھ کالج کے سٹوڈنٹس بھی تھے

کیونکہ ہم سات لڑکوں میں سے کچھ انٹرنس پاس کر کے جلدی ہی کالج میں داخل ہو گئے تھے۔ جب یہ معاملہ ہماری کمیٹی میں پیش ہؤا تو جو کالج کے سٹوڈنٹ تھے اُنہوں نے اِس امر پر زور دینا شروع کیا کہ اِس شخص کو سخت سزا دینی چاہئے کیونکہ اِس نے بددیانتی کی ہے اور اِسے بددیانتی کے جُرم میں علیحدہ کر دینا چاہئے۔ مَیں نے اِس کے مقابلہ میں کہا کہ اِس میں کوئی شُبہ نہیں اِس شخص سے قانونی بددیانتی ضرور ہوئی ہے لیکن فیصلہ کرتے وقت ہمیں یہ بھی غور کرنا چاہئے کہ اِس شخص کا ماحول کیا ہے اور آیا اُس سے جو بددیانتی سرزد ہوئی ہے یہ ناسمجھی کی وجہ سے سرزد ہوئی ہے یا شرارت کی وجہ سے سرزد ہوئی ہے۔ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ یہ بددیانتی اس نے شرارت کے طور پر کی اور انجمن کو نقصان پہنچانے کے لئے کی ہے تو اُسے واقع میں سخت سزا ملنی چاہئے لیکن اگر یہ ثابت ہو کہ اس نے شرارتاً ایسا نہیں کیا محض غفلت کی وجہ سے اِس نے ایسا کیا ہے اور یہ خیال کر کے کچھ روپیہ خرچ کر لیا ہے کہ اگلی تنخواہ میں سے دے دوں گا تو گو بددیانتی یہ بھی ہے مگر یہ شرارت والی بددیانتی سے مختلف ہے اور ہمیں سزا میں نرمی کرنی چاہئے۔ چنانچہ مَیں نے کہا اِس شخص نے ہماری خاطر ایک اچھی نوکری چھوڑی اور یقیناً وہ نوکری جو ہماری ہے یہ اِس کی پہلی نوکری کا قائمقام نہیں ہوسکتی۔ پس جب اِس کی ہماری خاطر قُربانی ثابت ہے تو گو اِس کا فعل بددیانتی ہی قرار دیا جائے مگر یقیناً وہ اِس حد تک نہیں جس حد تک شرارتی بددیانتی ہوتی ہے۔ ہمارے ساتھیوں میں سے ایک دوست یہ تمام تقریریں سُنتے رہے اور خاموشی سے بیٹھے رہے اور اُنہوں نے اِس میں کوئی دخل نہ دیا مگر جب بحث لمبی ہوگئی تو وہ جُوش سے کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ لوگ کیا بیوقوفی کی باتیں کر رہے ہیں؟ نہ کالج والوں کی بات میری سمجھ میں آتی ہے اور نہ (میری طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا) اِن کی۔ یہ دونوں کہتے ہیں کہ اِس شخص نے بددیانتی کی۔ فرق صرف یہ ہے کہ ایک فریق کہتا ہے اِس نے شرارت والی بددیانتی کی اور دوسرا کہتا ہے یہ نادانی کی بددیانتی ہے، ایک کہتا ہے سزا زیادہ دینی چاہئے اور دوسرا کہتا ہے سزا نرم دینی چاہئے۔ مگر دونوں اِس کو بددیانت قرار دیتے اور اِس کے فعل کو قابلِ سزا قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ بات دونوں کی غلط ہے اور خواہ مخواہ اِس مجلس میں بُلا کر ہمارا وقت ضائع کیا گیا ہے۔ آپ لوگ مجھے یہ بتائیں کہ یہ جو مجلس ''تشحیذ الاذہان'' کا روپیہ ہے

یہ آپ کا ہے یا خدا کا؟ ہم نے کہا خدا کا۔ وہ کہنے لگے جب خدا کا ہے تو اگر خدا کے بندے نے کچھ روپیہ لے لیا تو تم ہو کون جو اُسے بددیانت اور خائن قرار دو۔ ہم نے اِس پر اُنہیں بہتیرا سمجھایا اور دلیلیں دیں کہ آپ کی یہ بات درست نہیں مگر وہ یہی کہتے چلے گئے کہ مال بھی خدا کا اور بندہ بھی خدا کا میری سمجھ میں تو اَور کوئی بات آتی ہی نہیں۔ ہم نے کہا اِس کا تو یہ مطلب ہے کہ دینی خزانہ میں سے جو روپیہ کسی کے ہاتھ آئے وہ اُٹھا کر چلتا بنے۔ مثلاً صدر انجمن احمدیہ میں مال آتا ہے تو محاسب صاحب سیف اُٹھا کر گھر لے جائیں اور کہیں خدا کا مال اور خدا کا بندہ۔ جب مال خدا کا ہے تو میرا اِسے اپنے نفس پر خرچ کرنا کہاں گناہ ہؤا؟ اور جب ہم اُنہیں پکڑیں تو وہ کہیں اچھا بتاؤ تم نے خدا کی خاطر مال دیا تھا یا نہیں؟ اور جب ہم کہیں کہ ہاں دیا تھا تو وہ کہیں کہ بس پھر میں بھی اُس کا بندہ ہوں اور خدا کا بندہ خدا کا مال لے جا رہا ہے۔ وہ کہنے لگے اگر کوئی لے جاتا ہے تو لے جائے ہمیں اِس میں دخل نہیں دینا چاہئے۔ ہم نے اُنہیں بہت ہی سمجھایا مگر یہ مسئلہ کچھ اِس طرح اُن کے دماغ میں مرکوز تھا کہ آخر تک ہماری بات اُن کی سمجھ میں نہ آئی کیونکہ وہ ایسے معاملات میں سزا کے قائل ہی نہ تھے۔ اِس واقعہ سے تم سمجھ سکتے ہو کہ ایسے معاملات میں ہماری ذہنیتیں کس قسم کی ہو رہی ہیں؟ حالانکہ حق یہ ہے کہ سزا ذہن کو تیز کرتی ہے اور جس طرح دُنیوی انتظامات میں سزا دینا ضروری ہے اور اِس سے قوم میں ایسا احساس پیدا ہو جاتا ہے کہ لوگ غلطی سے حتّی الوسع بچنے لگ جاتے ہیں اور ذہن تیز ہو جاتے ہیں ہمارے ملک میں عام طور پر یہ خیال کرتے ہیں کہ سزا دینا ایک ظلم ہے اور جن لوگوں سے غلطی ہوتی ہے خصوصاً جبکہ وہ اعزازی کارکن ہوں وہ اور اُن کے دوست خیال کرتے ہیں کہ ایسے موقع پر صرف اظہارِ ندامت کافی ہونا چاہئے لیکن اِس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ ایسے کاموں میں اپنے دماغوں کو پوری طرح نہیں لڑاتے اور آہستہ آہستہ قوم کے ذہن کُند ہوتے چلے جاتے ہیں۔ اگر وہ اِن کاموں میں سزا کو ضروری قرار دیتے تو ضرور احتیاط سے کام کرنے کے عادی ہو جاتے اور ذہن تیز ہوتے جاتے۔

مَیں نے دیکھا ہے کہ جب کسی سے غلطی ہو اور اُسے سزا دینے کی تجویز ہو تو بڑے بڑے لوگ فوراً اِس کی سفارشیں لے کر میرے پاس پہنچ جاتے ہیں اور یہ نہیں سوچتے کہ اللہ تعالیٰ سے

زیادہ کون رحیم ہے۔ مگر وہ بھی ایسے موقع پر سزا دیتا ہے۔ ذرا غور تو کرو اگر یہ اصول درست ہو اور قیامت کے دن بھی ایسا ہی ہو تو قرآن کریم میں جو کچھ آخرت کے متعلق آیا ہے وہ کس طرح مضحکہ انگیز طور پر ایک تماشہ بن جائے مثلاً اگر فرعون کو سزا ملنے لگے اور حضرت موسیٰ کے ساتھی کھڑے ہو کر کہیں کہ حضور اِس سے غلطی ہوگئی ہے اب یہ معافی طلب کرتا ہے اِسے اب معاف کر دیا جائے تو کیا خدا تعالیٰ اُسے معاف کر دے گا؟ اور کیا اِس قسم کی معافی اُس روحانیت کی تکمیل کا موجب ہوگی جو اللہ تعالیٰ پیدا کرنا چاہتا ہے؟ یا مثلاً جب ابو جہل کو سزا ملنے لگے تو رقعوں کا ڈھیر خدا تعالیٰ کے سامنے لگ جائے اور پندرہ بیس محضر نامے پیش ہو جائیں جن پر لوگوں کی طرف سے یہ درخواست ہو کہ اِسے معاف کیا جائے تو کیا خدا تعالیٰ اُسے معاف کر دے گا؟ اگر اِس قسم کے رقعے آنے لگیں تو پھر تو خدا تعالیٰ کہے گا جب سب فیصلے تم نے خود ہی کرنے ہیں تو میں کس لئے یہاں بیٹھا ہوں؟ اُٹھاؤ دوزخ اور سب کو معاف کرو۔ پس اگر خدا تعالیٰ کا کسی کو سزا دینا ظلم نہیں اور کسی کا کوئی حق نہیں کہ اُس کے سامنے سفارش کرے تو کیا مَیں یا تم خدا تعالیٰ سے زیادہ رحم اپنے اندر رکھتے ہیں کہ ہم سزا کو ایک بَلا اور عذاب تصوّر کرتے ہیں۔ یہ یقیناً دماغ کی کمزوری اَور ذہانت کی کمی کی علامت ہے اور یہ یقیناً اِس بات کا ثبوت ہے کہ ہم سمجھتے ہی نہیں کہ سزا کیوں مقرر کی گئی ہے؟ سزا ایک بہت بڑے فائدہ کی چیز ہے۔ سزا بنی نوع انسان کے لئے ایک رحمت کا خزانہ ہے۔ اگر یہ فائدہ کی چیز نہ ہوتی تو ہمارا خدا کبھی مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ نہ بنتا۔ ہمارا خدا کبھی قہار نہ بنتا، وہ صرف رحیم اور کریم ہی ہوتا۔ مگر وہ رحیم اور کریم ہی نہیں بلکہ **شَدِیْدُ الْعِقَاب** اور **شَدِیْدُ الْبَطْش** بھی ہے۔ پھر کیا تم سمجھتے ہو کہ صرف میں منصف ہوں یا تم منصف ہو لیکن ہمارا خدا ظالم ہے۔ کیونکہ وہ بنی نوع انسان کو سزا بھی دیتا ہے۔ اِس سے زیادہ بے حیائی کا عقیدہ اور کون سا ہو سکتا ہے اور اِس سے زیادہ بے ہودہ بات اَور کیا ہو سکتی ہے؟ پس یقیناً مجرم کو سزا دینا ضروری ہے۔ یقیناً سزا کے بعد قوم ترقی کرتی ہے اور یقیناً سزا کے بغیر صحیح ذہانت پیدا نہیں ہوتی۔ جب کسی کو علم ہو کہ اگر مَیں نے فلاں کام خراب کیا تو مجھے سزا ملے گی تو وہ اپنے دماغ پر زور ڈال کر ہوش سے کام کرے گا تا کہ اُسے سزا نہ ملے اور جب وہ ہوش سے کام لے گا تو وہ سزا سے بھی بچ جائے گا اور اُس کا ذہن بھی تیز ہو جائے گا۔

اِس میں کوئی شُبہ نہیں کہ ذہانت پیدا کرنے کا پہلا ذریعہ محبت ہے۔ چنانچہ دیکھ لو ماں کس طرح ہر وقت اپنے بچہ کی فکر رکھتی ہے۔ اِس کا یہ فکر ہی اس کی ذہانت کا موجب ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ اِس کی ذہانت محدود ہوتی ہے اور ذہین شخص کی ذہانت وسیع ہوتی ہے۔ ورنہ بیوقوف شخص بھی بعض دفعہ ایسے معاملہ میں آ کر بڑا ذہین بن جاتا ہے جس میں اس کا ذاتی فائدہ ہوتا ہے لیکن وہ ذہین نہیں کہلا سکتا۔ کیونکہ اُس کی ذہانت محدود اور وقتی ہوتی ہے اِسی طرح ماں بھی اپنے بچہ کے متعلق بڑی ذہانت سے کام لیتی ہے اور اُس کی ہر ضرورت کا فکر رکھتی ہے لیکن اس کی یہ ذہانت محدود ہوتی ہے۔ بہرحال ذہانت یا محبت سے پیدا ہوتی ہے یا خوف سے پیدا ہوتی ہے۔ خوف کے وقت بھی انسانی ذہن خوب تیز ہو جاتا ہے یا پھر تجربہ سے انسانی ذہن تیز ہو جاتا ہے۔ یہی چند امور ہیں جن کا ذہانت کے پیدا کرنے میں بہت بڑا دخل ہے مگر جو محدود ذہانت ہو اُس کا کسی خاص پہلو میں تو فائدہ ہو سکتا ہے مگر باقی امور میں نہیں۔ ایسا شخص گو اپنے فائدہ یا اپنے بچے کے فائدہ کے لئے بڑی ذہانت کا ثبوت دے گا مگر قوم کے لئے وہ مفید نہیں ہوگا کیونکہ اُس کی ذہانت محدود ہے۔ انہی محدود ذہینوں میں سے مَیں نے ماں کو پیش کیا ہے۔ وہ عام طور پر اپنے بچہ کے متعلق ایسی ایسی فکریں رکھتی ہے کہ دوسرے حالات میں ویسی فکریں انسان کو نہیں سوجھ سکتیں۔ وہ بعض دفعہ اپنے بچہ کے متعلق اتنا سوچتی ہے کہ کہتی ہے مَیں دس سال کے بعد یہ کروں گی اور وہ کروں گی تو اِس ذہانت کی محرک محبت ہے۔ اِسی طرح کبھی خوف ذہانت کا مُحرک ہو جاتا ہے۔ مَیں اِس وقت جس ذہانت کی طرف توجہ دلا رہا ہوں وہ عام ذہانت ہے۔ محبت بیشک پہلی چیز ہے جو ذہانت پیدا کرتی ہے مگر یہ محبت تو ایمان پہلے ہی پیدا کر رہا ہے اور خصوصاً جب قومی کاموں میں نوجوان حصّہ لیں گے اور قومی روح اپنے اندر پیدا کریں گے جس کا پیدا کرنا میں ان کے مقاصد میں سے ایک اہم مقصد قرار دے چُکا ہوں تو لازماً محبت بھی پیدا ہوگی اور محبت کے نتیجہ میں جو ذہانت پیدا ہوتی ہے وہ بھی ان میں رونما ہوگی مگر دوسرا حصّہ ذہانت کا سزا سے مکمل ہوتا ہے۔ اِسی لئے مَیں نے فیصلہ کیا ہے کہ خدّام الاحمدیہ کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنے ہر ممبر سے یہ اقرار لیں کہ اگر اِس نے اپنے مفوضہ فرض کی ادائیگی میں غفلت یا کوتاہی سے کام لیا تو وہ ہر سزا برداشت کرنے کے لئے تیار رہے گا اور خدّام الاحمدیہ

کے ممبران کا فرض ہے کہ وہ خود اس کے لئے سزا تجویز کریں۔ اگر وہ سزا بھگتنے کے لئے تیار نہ ہو تو سمجھ لینا چاہئے کہ وہ خدام الاحمدیہ میں شامل رہنے کے قابل نہیں اور اگر وہ سزا بھگت لے گا تو یقیناً وہ اگلی دفعہ پہلے سے زیادہ اچھا کام کرے گا۔ اگر کوئی اِس پر معترض ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ کیوں سزا دی جاتی ہے؟ تو اُسے کہنا چاہئے کہ کیوں اُس نے محبت کے جذبہ کے ماتحت پہلے ہی کام ٹھیک نہ کیا؟ اگر وہ محبتِ کامل سے کام لیتا تو اُس کے کام میں کوئی خرابی پیدا نہ ہوتی اور اُسے سزا ابھی نہ ملتی مگر جب محبت والا ذریعہ اُس نے چھوڑ دیا اور محبت کی کتاب سے اُس نے سبق نہیں لیا تو اب ضروری ہے کہ اُسے سزا کی کتاب سے سبق دیا جائے۔ بہرحال اگر وہ سبق قیمتی ہے جس کے سیکھنے کے لئے وہ اِس مجلس میں شامل ہؤا تھا تو جو جائز ذریعہ بھی اُس کے لئے اختیار کیا جائے وہ اچھا ہے اور اگر سبق اچھا نہیں تو پھر اِس کے لئے کسی قُربانی کی ضرورت نہیں خواہ وہ کِس قدر معمولی اور حقیر کیوں نہ ہو۔ تو خدام الاحمدیہ کو نوجوانوں کے اندر ذہانت پیدا کرنی چاہئے۔ مَیں ذہانت پیدا کرنے کے ذرائع بتانے کے لئے ہر وقت تیار ہوں صرف ایک بات ہے جس کے لئے انہیں تیار رہنا چاہئے اور وہ یہ کہ جب کسی سے کوئی قصور سرزد ہو تو وہ اِس کی سزا برداشت کرنے کے لئے ہر وقت آمادہ رہے کیونکہ اِس کے بغیر کبھی ذہانت پیدا نہیں ہو سکتی۔

جب یہ ذہانت کسی انسان کے اندر پیدا ہو جائے تو پھر اِس کا علم اور زیادہ ترقی کرتا ہے اور جب انسان بہت زیادہ ذہین ہو جاتا ہے تو اُس کا علمِ لَدُنّی بڑھنے لگتا ہے۔ کتابی علم صرف کتابیں پڑھنے سے بڑھتا ہے مگر لدنی علم ذہانت سے بڑھتا ہے۔ جس طرح ذہین آدمی اگلے شخص کی ہر بات سے صحیح نتیجہ نکالتا ہے اُسی طرح جس شخص کا ذہانت کے بعد علمِ لَدُنّی بڑھنے لگتا ہے وہ خدا تعالیٰ کے ارادہ اور اُس کے منشاء کو اِس کی صفات سے پہچان جاتا ہے۔ وہ زمین کو دیکھ کر، وہ آسمان پر نظر دوڑا کر، وہ پہاڑوں کی طرف نگاہ اُٹھا کر، وہ ذرّے ذرّے اور پات پات کو دیکھ کر فوراً تاڑ جاتا ہے کہ الٰہی منشا کیا ہے اور رفتہ رفتہ ایسے مقام پر پہنچ جاتا ہے کہ اُس کی دُعائیں بہت زیادہ قبول ہونے لگتی ہیں اور گو خدا تعالیٰ کے لئے تو اُس لفظ کا استعمال مناسب نہیں مگر انسانی حالت کو مدّنظر رکھتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کا مزاج دان ہو جاتا ہے جس طرح وہ شخص جو کسی دوسرے کا مزاج دان ہوتا ہے اِس سے بہت جلد اپنی بات منوا لیتا ہے۔

اِسی طرح یہ بھی خدا تعالیٰ کا مزاج دان ہو جانے کی وجہ سے اُس سے وہ باتیں منوا لیتا ہے جو دوسرے لوگ منوا نہیں سکتے۔

دیکھو! مَیں نے کئی دفعہ بتایا ہے کہ دُعا کرتے وقت صفات الٰہیہ کو مدّنظر رکھنا چاہئے اور جس قسم کی دُعا کی جائے اُس قسم کی صفاتِ الٰہیہ کو جُنبش میں لانے کی کوشش کی جائے مگر مَیں نے ایک شخص کو ایک دفعہ دیکھا وہ دُعا کررہا تھا، اِس قدر سوز اور اِس قدر تضرع سے کہ اُس کے آنسو بہہ رہے تھے اور اُس کا جسم کانپ رہا تھا مگر وہ دُعا یہ کر رہا تھا کہ اے رحیم و کریم تو میرے فلاں دُشمن کو تباہ کر دے۔ اب بتاؤ رحیم و کریم کسی دُشمن کو کیوں تباہ کرنے لگا وہ تو جب بھی یہ سُنے گا کہ اے رحیم و کریم فلاں دُشمن کو ہلاک کر دے تو وہ کہے گا کہ مَیں تو رحیم و کریم ہوں مَیں اُسے معاف کرتا ہوں۔ تو اِس قسم کی دُعا مانگنا اللہ تعالیٰ کی مزاج دانی کے خلاف ہے کہ خدا کی اِس صفت کو حرکت میں لانا جو لوگوں پر رحم کرنے والی ہے اور کہنا یہ کہ وہ دوسرے کو عذاب دے۔ کیا جب کسی نے کسی دوسرے شخص کے بچہ کو باپ سے سزا دلوانی ہو تو وہ اُس سے جا کر یہ کہا کرتا ہے کہ آپ کے بچے نے فلاں قصور کیا ہے اُسے سزا دیں یا وہ یہ کہا کرتا ہے کہ اپنے پیارے بچے کو تھپڑ ماردیں وہ تو جب کہے گا کہ اے مہربان باپ اپنے پیارے بچے کو تھپڑ ماردیں تو اُس کا باپ بجائے اُسے مارنے کے اُسے پیار کرنے لگ جائے گا کیونکہ اُس نے پیار کے جذبہ کو برانگیختہ کرنے والے الفاظ کا استعمال کیا ہے۔ تو ذہانت کی وجہ سے ہی انسان دُنیا میں ترقی کرتا ہے۔ ذہانت کی وجہ سے ہی انسان اِس مقام پر پہنچتا ہے جب اُس کی دُعائیں دوسروں کی نسبت زیادہ قبول ہونے لگتی ہیں اور ذہانت کی وجہ سے ہی اگر ہم انسانی اصطلاح استعمال کریں تو کہہ سکتے ہیں کہ وہ خدا تعالیٰ کا مزاج دان ہو جاتا ہے اور اِس طرح وہ ہر روز اپنے علم اور اپنے عرفان میں ترقی کرتا چلا جاتا ہے۔ اِس کے ساتھ ہی مَیں ایک اور بات کہہ دینا چاہتا ہوں مگر مَیں اِسے لمبا نہیں کروں گا بلکہ مختصر الفاظ میں ہی اِس کی طرف توجّہ دلا دیتا ہوں اور وہ یہ کہ خدّام الاحمدیہ کا ساتواں فرض یہ ہے کہ وہ اپنے اندر استقلال پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ استقلال اِس بات کو کہا جاتا ہے کہ کسی کام کی حکمت سمجھ میں آئے یا نہ آئے انسان برابر اپنے کام میں لگا رہے۔ بعض لوگ کہہ دیا کرتے ہیں کہ ہمارے سپرد جو کام کیا گیا ہے ہماری سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ

کیوں ہمارے سپرد کیا گیا ہے؟ حالانکہ استقلال کے معنے ہی یہ ہیں کہ انسان جس کام پر مقرر کیا جائے خواہ اُس کام کی غرض اِس کی سمجھ میں آئے یا نہ آئے اُسے کرتا چلا جائے۔ اِس مادہ کو بھی خدام الاحمدیہ مختلف تجارب سے بڑھا سکتے ہیں مثلاً روزانہ یا ہفتہ وار خدّام الاحمدیہ کی حاضری لیں اور جو نہ آئیں یا کبھی آجائیں اور کبھی نہ آئیں اُن کے نام نوٹ کریں اور سمجھ لیں کہ اُن میں استقلال کا مادہ نہیں۔ پھر ان غیر مستقل مزاج ممبروں کو توجّہ دلاؤ کہ اپنے نقص کو رفع کریں اور اپنے اندر استقلال پیدا کریں اور جب دیکھیں کہ وہ پھر بھی توجہ نہیں کرتے تو اپنے افسروں کے پاس ان کی شکایت کریں۔ وہاں بھی اگر اصلاح نہ ہو تو پھر ان سے اعلیٰ افسروں کے پاس اور پھر اُن سے اعلیٰ افسروں کے پاس یہاں تک کہ ہوتے ہوتے خلیفۂ وقت کے سامنے بھی ان کے ناموں کو رکھا جاسکتا ہے مگر ضروری ہے کہ پہلے خود اِن کا علاج سوچا جائے اور اِن سے عدمِ استقلال کا مرض دور کرنے کے لئے کوئی مناسب تجویز کی جائے مثلاً ایک علاج یہی ہوسکتا ہے کہ روزانہ کوئی کام انہیں کرنے کے لئے دیا جائے اور پھر دیکھا جائے کہ وہ باقاعدہ اس کام کو کرتے ہیں یا نہیں؟ یہ ضروری ہے کہ وہ کام ایسا ہو جو سب کو نظر آتا ہو خواہ کتنا ہی حقیر نظر آنے والا کیوں نہ ہو۔ مثلاً یہ کام بھی ہوسکتا ہے کہ اسے کہہ دیا جائے کہ روزانہ دس بجے اپنے گھر سے باہر نکل کر پانچ منٹ اپنے مکان کا پہرہ دے۔ بظاہر یہ ایک بیوقوفی کی بات دکھائی دے گی مگر تمہیں تجربہ کے بعد معلوم ہو جائے گا کہ اِس بظاہر بیوقوفی والی بات پر عمل کرنے کے نتیجہ میں رفتہ رفتہ اِس میں استقلال کی عادت پیدا ہو جائے گی اور درحقیقت کسی ایک کام کا بھی باقاعدگی کے ساتھ کرنا انسان کے اندر استقلال کا مادہ پیدا کر دیتا ہے۔ ہم پانچ وقت جو روزانہ نمازیں پڑھتے ہیں یہ بھی استقلال پیدا کرنے کا ایک بہت بڑا ذریعہ ہیں۔ اِسی لئے مَیں کہا کرتا ہوں کہ جس نے ایک نماز بھی چھوڑی اُس کے متعلق یہی سمجھا جائے گا کہ اس نے سب نمازیں چھوڑ دیں مگر جو شخص پانچوں وقت کی نمازیں باقاعدہ پڑھنے کا عادی ہے اُس کی طبیعت میں ایک حد تک ضروری استقلال پایا جاتا ہے مگر جو شخص دس سال کے بعد بھی ایک نماز چھوڑ دیتا ہے وہ عدمِ استقلال کا مریض ہے۔ پس اپنے اندر استقلال پیدا کرنے کی کوشش کرو۔ چاہے کسی چھوٹی سی چھوٹی بات پر مداومت کے ذریعہ کیوں نہ ہو۔ تم کہہ سکتے ہو کہ جب کوئی شخص نماز

پڑھتا ہے تو ہمیں کوئی اور ایسا کام اِس کے سپرد کرنے کی کیا ضرورت ہے جو استقلال پیدا کرنے والا ہو مگر یہ صحیح نہیں کیونکہ تم اس کی نمازوں کی نگرانی نہیں کر سکتے لیکن جو کام تم اس کے سپرد کرو گے اُس کی نگرانی تم ضرور کرو گے۔ پھر ممکن ہے وہ نمازیں پڑھتا ہی نہ ہو یا پانچ میں سے تین نمازیں پڑھتا ہو اور دو چھوڑ دیتا ہو یا چار پڑھتا ہو اور ایک چھوڑ دیتا ہو یا مہینہ میں سے کوئی ایک نماز چھوڑ دیتا ہو تو اِس بات کا تمہیں پتہ نہیں لگ سکتا کہ وہ نمازوں میں با قاعدہ ہے یا نہیں کیونکہ وہ ذاتی عبادت ہے اور ذاتی عبادت کی دوسرا شخص مکمل نگرانی نہیں کرسکتا لیکن وہ حکم جو تم خود دوسرے کو دو گے اُس کی نگرانی بھی کرو گے اور اِس طرح اس کے اندر استقلال کا مادہ پیدا ہوتا چلا جائے گا۔ مَیں اِس کے لئے بھی مناسب قواعد تجویز کر کے خدّام الاحمدیہ کی مدد کرنے کے لئے تیار ہوں۔ انہیں چاہئے کہ وہ ان تمام باتوں کو جو خطبات میں مَیں نے بیان کی ہیں بار بار لیکچروں کے ذریعہ خدّام الاحمدیہ کے سامنے دُہراتے رہیں۔ کبھی دیکھا کہ کوئی شخص استقلال اپنے اندر نہیں رکھتا تو اس کو استقلال پر لیکچر دینے کے لئے کہہ دیا۔ اِس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اِس کے نفس میں شرمندگی پیدا ہوگی اور وہ آئندہ کے لئے اِس نقص کو دُور کرنے کی کوشش کرے گا یا دوسرے لوگ جن کی زبانوں میں اللہ تعالیٰ نے تاثیر رکھی ہے ان سے لیکچر دلائے جائیں۔ پس لیکچروں کے ذریعہ سے، حاضری لگانے کے ذریعہ سے، اپنی سوسائٹی میں بار بار ایسے ریزولیوشنز پاس کرنے کے ذریعہ سے نگرانی کے ذریعہ اور ایسے کام دینے کے ذریعہ سے جن کو روزانہ باقاعدگی کے ساتھ کرنا پڑے نوجوانوں کے اندر استقلال کا مادہ پیدا کیا جا سکتا ہے اور مَیں خدّام الاحمدیہ کو اِس امر کی طرف بھی توجہ دلاتا ہوں۔ مَیں باوجود اِس کے کہ کئی خطبات پڑھ چُکا ہوں ابھی تک وہ باتیں ختم نہیں ہوئیں جو خدّام الاحمدیہ کے میں ذہن نشین کرنا چاہتا ہوں۔ اب تک مَیں سات فرائض کی طرف خدّام الاحمدیہ کو توجہ دِلا چُکا ہوں اور دو باتیں ابھی رہتی ہیں انہیں اِنْشَاءَ اللہ تَعَالٰی اگلے جمعہ مَیں بیان کروں گا۔ اب مَیں خدّام الاحمدیہ سے صرف اِس قدر کہنا چاہتا ہوں کہ باتیں تو بہت کچھ بیان ہو چکی ہیں اب انہیں کوئی عملی قدم بھی اُٹھانا چاہئے۔ میرا خیال تھا کہ مَیں جلدی ہی تمام باتیں بیان کرلوں گا مگر خطبے بہت لمبے ہو گئے ہیں۔ اِن خطبوں کا ایک نتیجہ یہ بھی نکلتا ہے کہ بعض دفعہ پچھلی باتیں انسان بھُول جاتا ہے اور

جب اِن کی طرف توجہ کرتا ہے تو پہلی باتیں اِن کے ذہن سے اُتر جاتی ہیں۔ پس اب جس قدر جلدی ہو سکے کام کو عملی رنگ میں شروع کر دینا چاہئے کیونکہ تازہ بتازہ علم انسان جلد استعمال کر لیتا ہے اور جس قدر پُرانا ہو جائے اتنا ہی اس پر عمل کرنا مُشکل دکھائی دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کا مددگار ہو۔‘‘ (الفضل ۳؍ مارچ ۱۹۳۹ء)

۱؎ سٹیٹسٹکس (STATISTICS): فنِ اعداد و شمار، شماریات